تحریکی جدوجہد میں مایوسی کا عنصر

اختر حسین عزمی ○

"اس قوم کا کیا بن سکتا ہے؟ اس کے لیے تو تباہی مقدر ہے' آپ جتنی کوشش چاہیں کر لیجیے کوئی فائدہ نہ ہو گا' زمانہ بہت خراب ہے"--- یہ فقرے اکثر سننے میں آتے ہیں۔ یوں لگتا ہے جیسے ہر فرد مایوس ہے۔ نہ اسے اپنے مستقبل پر یقین ہے اور نہ دعوت اسلامی کی کامیابی پر۔ اس مایوسی میں اضافے کا ایک اندازہ خودکشی اور خودسوزی کے بڑھتے ہوئے واقعات سے بھی لگایا جا سکتا ہے۔ اس بڑھتی ہوئی مایوسی نے جہاں اور بہت سے مسائل کو جنم دیا ہے' وہاں بے حسی' اخلاقی جرات کا فقدان' قومی معاملات سے لاتعلقی اور اصلاح کے لیے قربانی کے جذبے کا فقدان نمایاں ہیں۔

قوم کا وہ طبقہ جو زینت محراب و منبر ہے اور قوم کی فکری رہنمائی جس کا دینی فریضہ ہے اور جو مایوس کن حالات میں قوم کی صحیح رہنمائی کر سکتا ہے' وہ بھی اس بگاڑ کی محض نشان دہی اور اظہار ناراضی کر کے فریضہ دعوت کی ادائیگی سے پہلوتہی کیے ہوئے ہے۔ داعیان دین اور کارکنان تحریک اسلامی بھی مایوسی کے ان اثرات سے محفوظ نہیں ہیں۔ درحقیقت مایوسی وبددلی کا خاتمہ تحریک اسلامی کے لیے آج ایک بڑے چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے۔

غصہ' نفرت' انتقام' خوف اور حرص کی طرح مایوسی کا عنصر بھی انسانی فطرت میں پایا جاتا ہے۔ انسان چونکہ تھڑدلا پیدا کیا گیا ہے (اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ○ المعارج ۷۰:۱۹)' اس لیے جب اس پر کوئی مصیبت آتی ہے تو گھبرا اٹھتا ہے (اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ○ المعارج ۷۰:۲۰) اور مایوس و دل شکستہ ہو جاتا ہے (وَاِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَؤُوْسٌ قَنُوْطٌ ○ حٰمٓ السجدہ ۴۱:۴۹)۔ حقائق کی دنیا میں انسانی توقعات اور منصوبے شکست و ریخت کا شکار ہوتے رہتے ہیں۔ اس ناکامی میں کہیں تو اس کی عملی کوتاہیوں کا دخل ہوتا ہے (وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ ۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ــ الروم ۳۰:۳۶)' کہیں انسان کی فطری عجلت پسندی و جلد بازی کا ہاتھ

○ لیکچرار' گورنمنٹ ڈگری کالج' چوکی

ہوتا ہے کیونکہ جلدبازی اس کی فطرت تخلیق میں شامل ہے (خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ط الانبیا ۲۱:۳۷)۔ انسان جس طرح کاروبار دنیا میں فوری نفع کا خواہش مند ہوتا ہے' اسی طرح دعوت و اصلاح کے بھی دیرپا نتائج کے بجائے فوری ثمرات دیکھنا چاہتا ہے: كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ○ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ○ (القیامہ ۷۵: ۲۰-۲۱) ہرگز نہیں' دراصل تم لوگ جلد حاصل ہونے والی چیز (دنیا) سے محبت رکھتے ہو اور آخرت کو چھوڑ دیتے ہو۔

اقامت دین کی تحریک زندگی کے تمام شعبوں میں اعتدال و توازن کے ساتھ ہمہ پہلو کام کرتی ہے' اور صرف پاکیزہ طریقے اپناتی ہے۔ اس کے لیے عزم بالجزم کی ضرورت ہوتی ہے' جب کہ انسانی عزم کی کمزوری بار بار اس کے آڑے آتی ہے: وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِىَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ○ (طٰہٰ ۲۰:۱۱۵) ہم نے اس سے پہلے آدم کو حکم دیا تھا مگر وہ بھول گیا اور ہم نے اس میں عزم نہ پایا--- یہی وجہ ہے کہ دیگر دنیاوی تحریکوں کی آزاد روی کے مقابلے میں اسلامی تحریک کی جائز و ناجائز کی پابندیاں عجلت پسند انسان پر گراں گزرتی ہیں۔ کبھی ایک داعی صبرآزما آئینی جدوجہد کو ایک غیر ضروری کام سمجھ کر کسی شارٹ کٹ' تشدد اور تلوار کی طرف لپکتا ہے' تو کبھی گردش مدام سے گھبرا کر خانقاہ کے گوشۂ عافیت میں سکون کا متلاشی ہوتا ہے: وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ○ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ○ (البلد ۹۰:۱۰-۱۱) اور دونوں نمایاں راستے اسے دکھا دیے گئے مگر اس نے دشوار گزار گھاٹی سے گزرنے کی ہمت نہ کی۔

اس بددلی کے نتیجے میں کچھ باصلاحیت اور مخلص افراد محدود مذہبی زندگی پر قانع ہو رہتے ہیں' اور کچھ اپنی غلطیوں کے ازالے کے لیے اس طرح غرق دنیا ہوتے ہیں کہ دوسروں کے لیے بھی سامان عبرت بن جاتے ہیں۔ یہ صورت حال دوسرے کارکنوں پر بھی اثرانداز ہوتی ہے۔ ان کے جذبات ٹھنڈے ہونا شروع ہو جاتے ہیں' حالات سے سمجھوتہ کرنے کے جواز تلاش کر لیے جاتے ہیں' اور پھر جس طرح چینی' پانی میں گھل جاتی ہے وہ بھی اسی معاشرت کا حصہ بن جاتے ہیں جسے تبدیل کرنے کا داعیہ لے کر کبھی وہ اٹھے تھے۔ تحریک سے ذہنی عقیدت اور جماعتی عصبیت تو ختم نہیں ہوتی لیکن نصب العین سے جذباتی وابستگی اور والہانہ لگاؤ دم توڑ جاتا ہے: رہ گئی رسم اذاں' روح بلالی نہ رہی

دعوتی عمل میں مایوسی جن مختلف راہوں سے داخل ہوتی ہے ان کی الگ الگ تشخیص اور علاج کی ضرورت ہے۔ اصلاح و ہدایت کے کام سے مایوسی کی بنیادی وجہ انسان کا اپنی داعیانہ حیثیت' نصرت الٰہی کے قانون اور فطرت انسانی کے چند حقائق کو نہ سمجھنا ہے۔ اگر ان حقائق کو سمجھ لیا جائے تو مایوسی کا کافی حد تک ازالہ کیا جا سکتا ہے--- مایوس انسان سمجھتا ہے کہ میری تبلیغ کا اثر نہیں ہوا' اس لیے اصلاح معاشرہ ناممکن ہے۔ مجھے اچھے نتائج حاصل نہیں ہوئے اس لیے آئین و قانون کے ذریعے انقلاب ناممکن ہے۔

ہمارا کام صرف دعوت و تذکیر ہے: یہ سمجھنا ضروری ہے کہ دعوت حق کو اچھے طریقے سے پہنچانے کا حق ادا کرنا ہماری بنیادی ذمہ داری ہے' دل بدلنا نہیں۔ وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ○ (یٰسٓ ۳۶:۱۷) اور ہم پر صاف صاف پیغام پہنچا دینے کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں ہے--- قرآن میں ۱۳ مقامات پر یہ بات ارشاد فرمائی گئی ہے۔ گمراہی کے انجام سے ڈرانا اور خبردار کرنا ہی ہمارا فرض ہے: اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ ○ (فاطر ۳۵:۲۳) تم تو بس ایک خبردار کرنے والے ہو--- قرآن میں ۳۱ مقامات پر یہ بات ارشاد فرمائی گئی۔ بھول جانا چونکہ انسانی فطرت ہے اس لیے یاد دہانی کروانا ہمارا کام ہے لیکن کوتوالی کرنا نہیں: فَذَكِّرْ ۘ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ○ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ○ (الغاشیۃ ۸۸:۲۱-۲۲) پس نصیحت کیے جاؤ تم بس نصیحت ہی کرنے والے ہو۔ ان پر جبر کرنے والے نہیں ہو۔

شہادت حق کا مقصد بندوں پر رب کی حجت کا اتمام اور خدا کے حضور اپنا عذر پیش کرنا ہے۔ یوم سبت کی خلاف ورزی پر نہی عن المنکر کرنے والے گروہ کو جب "شرفا" نے سمجھایا کہ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمًا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ (الاعراف ۷:۱۶۴) تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو جنھیں اللہ ہلاک کرنے والا ہے یا سخت سزا دینے والا ہے--- تو انھوں نے جواب دیا: مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ (الاعراف ۷:۱۶۴) ہم یہ سب کچھ تمھارے رب کے حضور اپنی معذرت پیش کرنے کے لیے کرتے ہیں۔

ہدایت صرف اللہ کے اختیار میں ہے: ہر انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ جس سچائی کو وہ پا چکا ہے' اسے دوسرے بھی تسلیم کر لیں۔ لیکن دلوں کا ہدایت کے لیے کھلنا اور اصلاح پذیر ہونا انسانی اختیار میں نہیں۔ بات اللہ کی مدد سے اثر کرتی ہے۔ دل اس کی توفیق سے کھلتے ہیں۔ اصلاح اللہ کے حکم سے ہوتی ہے۔ انسانی مساعی کو شرف کامیابی اللہ کے فضل سے حاصل ہوتا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا: بے شک بنی آدم کے دل اللہ رحمٰن کی انگلیوں کے درمیان ہیں اور وہ انھیں جیسے چاہے پھیرتا رہتا ہے (مسلم)۔ اس لیے مایوسی سے بچنے کا واحد راستہ یہی ہے کہ ہم مشیت الٰہی میں دخل نہ دیں۔ وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ○ (النحل ۱۶:۹) اگر وہ چاہتا تو سب کو ہدایت دے دیتا--- مولانا مودودیؒ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "اس کی مشیت ایک ایسی ذی اختیار مخلوق کو وجود میں لانے کی متقاضی تھی جو اپنی پسند اور اپنے انتخاب سے صحیح اور غلط' ہر طرح کے راستوں پر جانے کی آزادی رکھتی ہو" (تفہیم القرآن' ج ۲' ص ۵۲۸)۔

حضورؐ کے لیے ہر طرح کی قربانی دینے والے چچا ابوطالب آپؐ کی انتہائی کوشش کے باوجود مسلمان نہ ہوئے۔ لہٰذا ہمیں پریشان ہونے کے بجائے دوسروں کی ہدایت کے لیے کوشش اور دعا جاری رکھنی چاہیے: فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۫ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ۭ (فاطر ۳۵:۸) حقیقت یہ ہے کہ اللہ جسے چاہتا ہے گمراہی میں ڈال دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے راہ راست دکھا دیتا

ہے۔ پس اے نبیؐ خوامخواہ تمھاری جان ان لوگوں کی خاطر غم و افسوس میں نہ گھلے--- یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ ہدایت کا ملنا ایک حادثاتی امر نہیں ہے بلکہ ایک مستقل سنت الٰہی کے مطابق ہدایت صرف اسے ملتی ہے جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ○ (الشوریٰ ۴۲: ۱۳)۔ اور وہ اپنی طرف آنے کا راستہ اسی کو دکھاتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرے۔

ہر انسان اپنی وسعت کے مطابق مکلف ہے: دنیا کا بگاڑ دیکھ کر ایک داعی سوچتا ہے کہ اتنے بڑے بگاڑ کی اصلاح میں اکیلا یا ایک چھوٹی سی جماعت کیسے کر سکتی ہے۔ وہ اس بات کو بھول جاتا ہے کہ بڑے سے بڑے کام کا آغاز چھوٹا ہوتا ہے۔ غیروں کی مثال لیں' تو روس اور چین کے انقلاب کس طرح آئے؟ دراصل آدمی کو اپنے حصے کا کام کرنا ہوتا ہے۔ خود تحریک اسلامی کہاں سے کہاں آگئی ہے۔ سیرت کے مطالعے سے نمونہ اور مثال سامنے آتی ہے۔ کوشش ہو تو اللہ کی نصرت بھی آتی ہے۔ پھر ہمیں تو یہ سہولت ہے کہ جواب دہی کی کوشش کی ہے' نتائج کی نہیں۔ جب انسان نتائج کو اپنی ذمہ داری سمجھنے لگے تو مایوسی کا دروازہ کھلتا ہے۔ نتیجتاً بڑا کام تو ایک طرف' چھوٹے دائرے میں جو اصلاحی کام وہ کر سکتا تھا اسے بھی چھوڑ بیٹھتا ہے۔ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ (البقرہ ۲: ۲۸۶) اللہ کسی نفس کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا' کے پیش نظر داعی کو اپنی علمی' ذہنی' جسمانی صلاحیتوں اور مادی وسائل کے پیش نظر اپنے روابط اور دائرہ اثر و رسوخ میں کام کرنا چاہیے۔ معاشرے کی اصلاح کے لیے بھی منظم منصوبہ بندی کے تحت تن من دھن سے اپنے حصے کا کردار ادا کرنا چاہیے۔

حضورؐ نے ہر انسان کے دائرہ کار کا تعین کیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: قوم کا امام لوگوں پر نگران ہے' اور وہ اپنی رعایا کے بارے میں جواب دہ ہے۔ کسی آدمی کا غلام اس کے مال کا نگران ہے اور وہ اس بارے میں جواب دہ ہے۔ خبردار! تم میں سے ہر ایک نگران ہے' اور اپنی اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہے (بخاری' مسلم)۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ ایک فرد کی اصلاح بھی معمولی بات نہیں۔ ایک بگڑے ہوئے نوجوان کی اصلاح سے کئی خاندان نہ صرف اس کی برائی کے اثرات سے محفوظ ہو جاتے ہیں بلکہ وہ ان کے لیے ایک شجر سایہ دار بھی بن جاتا ہے۔ حضورؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا: خدا کی قسم! تیرے ذریعے ایک شخص کا ہدایت پا جانا تیرے لیے سرخ اونٹوں (کے صدقے) سے بہتر ہے (بخاری)۔

نصرت الٰہی کب آتی ہے؟ انبیا کے معجزات اور نیک لوگوں کی کرامات' اللہ کی طرف سے ان کی تائید کا ایک علامتی اظہار ہیں۔ لیکن اصلاح معاشرہ کا کام اللہ نے پہلے بھی انسانوں سے ہی لیا ہے اور آیندہ بھی اس کام کو وہی انجام دیں گے' کوئی اور مخلوق نہیں اترے گی۔ قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ

مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ○ (بنی اسرائیل ۱۷:۹۵) ان سے کہو کہ اگر زمین میں فرشتے اطمینان سے چل پھر رہے ہوتے تو ہم ضرور کسی فرشتے کو ہی ان کے لیے پیغمبر بنا کر بھیجتے۔

دوسری بات یہ ہے کہ چند افراد کا دعوئ ایمان کرنا یا صاحب کردار بن جانا کافی نہیں ہے بلکہ معاشرے کے اندر جدوجہد' آزمایش اور کش مکش میں سے گزرے بغیر نصرت الٰہی حاصل نہیں ہو سکتی۔ اگر محض چند اصحاب کے صاحب کردار بن جانے سے غلبہ دین ممکن ہوتا تو مکہ کے صادق و امینؐ اور ان کے ساتھیوں سے زیادہ صاحب کردار کون ہوگا جنھیں قدم قدم پر آزمایشوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اللہ کو اپنے دین کا غلبہ ہی مقصود نہیں ہے بلکہ انسانوں کی آزمایش بھی مقصود ہے کہ ان میں کتنے حق کا ساتھ دینے میں مخلص اور جرأت مند ہیں اور کتنے محض دعوے دار۔ وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ط (محمد ۴۷:۴) اللہ چاہتا تو خود ہی ان سے نمٹ لیتا' مگر (یہ طریقہ اس نے اس لیے اختیار کیا ہے) تاکہ تم لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے سے آزمائے۔

فتح و نصرت کے وعدے قرآن میں مومنوں کی اجتماعیت سے کیے گئے ہیں' منفرد و منتشر لوگوں سے نہیں۔ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ط (البقرہ ۲:۲۴۹) بارہا ایسا ہوا کہ ایک قلیل گروہ اللہ کے اذن سے ایک بڑے گروہ پر غالب آگیا--- نصرت الٰہی کے ساتھ ساتھ مومنین کی تائید و حمایت حاصل کرنا بھی ہماری ذمہ داری ہے۔ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ○ (الانفال ۸:۶۲) وہی تو ہے جس نے اپنی مدد اور مومنوں کے ذریعے سے تمھاری تائید کی--- اسی لیے دعوت الی الخیر کا فریضہ اجتماعی طور پر ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ (اٰل عمرٰن ۳:۱۰۴) تم میں سے ایک گروہ ایسا ضرور ہونا چاہیے جو نیکی کی طرف بلائے۔

فتح و نصرت کا نزول اس وقت ہوتا ہے جب انسانوں کا ایک معقول گروہ اپنی استطاعت کے مطابق اپنے مادی وسائل اور ذہنی و جسمانی صلاحیتوں کو اس کی راہ میں کھپانے کا حق ادا کر دیتا ہے۔ اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ (محمد ۴۷:۷) اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمھاری مدد کرے گا۔

کوشش کی کتنی مقدار پر نصرت الٰہی کا انحصار ہے' اس کا کوئی فارمولا بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اس منطقی بحث سے بچتے ہوئے اس مثال کو سامنے رکھیں کہ پانی یا دوسری مائع اشیا کو ابالنے کے لیے ایک مخصوص درجہ حرارت مطلوب ہے' وہ فراہم نہ ہو تو ان میں ابال نہیں آتا۔

کوئی یہ کہے کہ اتنی دیر سے آگ جلائے بیٹھے ہیں' ابال نہیں آ رہا' یہ ایک بے معنی بات ہو گی۔ کیونکہ جب مطلوبہ درجہ حرارت مل جائے گا خود بخود ابال آجائے گا۔ ہمارا کام اس بات پر نظر رکھنا ہے کہ جو لکڑی جلائی گئی تھی وہ صحیح جل رہی ہے یا نہیں؟ کیا وہ لکڑی صحیح آنچ دینے والی بھی ہے؟ یہ بھی ہو سکتا

ہے کہ آگ جل رہی ہو' لیکن ہوا نے اس کا رخ تبدیل کردیا ہو۔ کوئی بھی سبب یا اسباب ہو سکتے ہیں۔ انھیں معلوم کر کے انھیں دور کرنے کی فکر ضرور کرنا چاہیے۔ انقلاب کی جلدی مچانے کے بجائے افرادی قوت کی فکر کی جائے' ان کی سرگرمیوں کا صحیح رخ متعین کیا جائے۔ حالات کی ناسازگاریوں پر بھی نظر رکھی جائے۔ کوتاہیوں پر احتساب ہو اور غلطیوں سے رجوع کیا جائے' یعنی تحریک میں قرآنی اصطلاح کے مطابق استغفار' اصلاح اور توبہ کا عمل زندہ رہے تو انقلاب ضرور اپنا راستہ تلاش کر لے گا۔ پھر بھی اس دنیا کی ناکامی کو ناکامی نہیں سمجھنا چاہیے کیونکہ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ○ (التوبہ ۹:۱۲۰) یقیناً اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

حسن انتظار: انسان کی فطری خواہش ہے کہ جس انقلاب کے پودے کو وہ سینچ رہا ہے' اس کا وہ پھل بھی کھائے۔ یہ خواہش بری نہیں لیکن آم کا پودا لگانے والے بوڑھے کی طرح یہ خیال بھی رکھنا چاہیے کہ ہمارے بزرگوں نے پودے لگائے تو ہم نے پھل کھائے۔ ہم لگائیں گے تو آیندہ نسلیں اس سے استفادہ کریں گی۔ پھل کے پکنے کا انتظار بھی ضروری ہوتا ہے۔

انسانی جذبات میں مدوجزر ایک حقیقت ہے۔ انسان کبھی ہٹ دھرم ہے تو کبھی نرم' کبھی نفرت کا اظہار کرتا ہے تو کبھی محبت کا پرچار۔ کبھی تعصبات قبول حق میں رکاوٹ بنتے ہیں تو کبھی معاشی مفادات حائل ہو جاتے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ کو قبول حق میں ذرا سی دیر نہ لگی۔ حضرت عمرؓ کی کش مکش چھ سال میں ختم ہوئی۔ حضرت خالد بن ولیدؓ کے حجابات ہٹنے میں ۲۰ برس لگ گئے' جب کہ حضرات ابوسفیانؓ و عکرمہؓ نے فیصلہ کرنے میں ۲۱ برس لیے۔ اس لیے بے صبری کا مظاہرہ کرنے کے بجائے ہمیں اپنی سعی جاری رکھنی چاہیے۔ ہم نہیں جانتے کہ مستقبل میں اللہ تعالیٰ ہماری مساعی کی پذیرائی کس انداز میں کرے گا۔

قرب قیامت کا جواز: بعض افراد احادیث کے یک رخے مطالعے سے یہ سمجھتے ہیں کہ ہر آنے والا دن پہلے کی نسبت خراب ہی ہو گا۔ لہٰذا اصلاح کی کوششیں کارِلاحاصل ہیں۔ اس سوچ کی کوئی سائنٹی فک بنیاد نہیں سوائے اس کے کہ انسان حال کی تلخیوں کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کے بجائے ماضی کی رومانویت میں پناہ لینا چاہتا ہے۔ قرب قیامت کی علامتوں کا بیان ان برائیوں سے خبردار کرنے اور اصلاح کی ضرورت کو اجاگر کرنے کے لیے تھا' نہ کہ حالات سے مایوس کرنے کے لیے۔ علامات قیامت کا ظہور برحق ہے لیکن اس سے تو رفتار کار پر مثبت اثرات ہونے چاہییں۔ چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی کی ستیزہ کاری ایک ازلی حقیقت ہے۔ بگاڑ کے ادوار پہلے بھی آئے اور مصلحین کی کوششوں نے صورت حال تبدیل کر دی۔

آخری دور کی امت خرابیوں کی ہی نہیں بہت سے فضائل کی حامل بھی ہو گی۔ حضرت ابوجمعہؓ صحابی رسولؐ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسولؐ اللہ کے ساتھ ہم نے کھانا کھایا۔ حضرت ابوعبیدہ ابن الجراحؓ نے

سوال کیا: یارسول اللہ! ہم سے بڑھ کر بھی کوئی بہتر ہو سکتا ہے کیونکہ ہم اسلام لائے' آپؐ کے ساتھ مل کر جہاد کیا؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں! وہ لوگ جو تمھارے بعد پیدا ہوں گے' مجھ پر ایمان لائیں گے' جب کہ انھوں نے مجھے دیکھا تک نہ ہو گا (احمد' دارمی)۔

ظہور مہدی کا انتظار: امام مہدی کے ظہور کی پیش گوئی بھی بے عملی کا جواز بن گئی ہے--- چونکہ اصلاح امت تو اس وقت ہو گی جب ظہور مہدی ہو گا' اس لیے اس سے پہلے ایک ناکام جدوجہد میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ گویا کہ صرف امام مہدی کے ظہور کی دیر ہے ورنہ لوگ تو سب کچھ تج کر ان کی معیت میں کفر کے خلاف لڑنے کے لیے تیار بیٹھے ہیں۔ اصلاح و انقلاب کا یہ تصور قرآن کی بیان کردہ سنت الٰہی کے خلاف ہے۔ ظہور مہدی کے وقت حالات کی درستی کسی پاکیزہ ہوا کے چلنے سے نہیں' انسانی مساعی کے نتیجے میں ہی ہو گی۔ یہ ممکن ہے کہ اس دور مسعود کی تیاری و سازگاری میں آج کے اندھیروں سے لڑنے والوں کا نمایاں حصہ شامل ہو۔

یہ بھی ممکن ہے کہ جب ظہور مہدی ہو تو وہ لوگ جو آج ان کے انتظار میں بیٹھے ہیں انھیں پہچان نہ سکیں اور محروم رہیں جس طرح رسولؐ اللہ کی علامتیں جاننے کے باوجود یہودی و عیسائی آپ پر ایمان سے محروم رہے۔

روشن پہلو پر نظر: اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ○ (الم نشرح ۹۴:۶) کا فرمان الٰہی مایوسی میں امید کے پہلو پر نظر رکھنے کا اشارہ ہے۔ پانی سے آدھا بھرا ہوا گلاس دیکھ کر ایک آدمی کہتا ہے کہ "گلاس آدھا خالی ہے" جب کہ دوسرا کہتا ہے کہ "گلاس آدھا بھرا ہوا ہے"۔ پہلی سوچ تاریک پہلو پر نظر رکھنے والے مایوس انسان کی ہے' جب کہ دوسری سوچ روشن پہلو پر نظر رکھنے والے پُرامید ذہن کی علامت ہے۔

○ آج اگر مسلمانوں کے خلاف سازشیں اور ظلم عروج پر ہیں تو یہ بھی مسلمانوں کی بیداری اور مزاحمت کا نتیجہ ہے۔ یہ ایک روشن پہلو ہے کہ قومی معاملات سے لاتعلقی اور بے حسی کے اسی دور میں تین تین بیٹوں کی شہادت پر فخر کرنے والے مطمئن والدین بھی موجود ہیں۔

○ یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ ایمان و عقیدے کے ذریعے اللہ نے ایمان والوں کے دلوں کو آپس میں اس طرح جوڑ دیا کہ یہ کام کسی مصنوعی طریقے سے نہیں ہو سکتا تھا۔ امت مسلمہ میں اخوت و یک جہتی کا یہ احساس آج بھی زندہ ہے۔ مسلمانوں پر ہونے والے ظلم و ستم پر مسلمانان عالم میں اضطراب و بے چینی پائی جاتی ہے اور وہ اس ظلم کا خاتمہ چاہتے ہیں۔ اس کے لیے وہ جانیں بھی قربان کر رہے ہیں اور اپنا مال بھی خرچ کرتے ہیں۔

○ کوئی بھی دور سلیم الفطرت افراد سے خالی نہیں ہوتا۔ یہ خام مال کسی بے دین تحریک یا لیڈر کے

ہاتھ آ جائے تو اس کا بے لوث کارکن بن جاتا ہے اور کسی دین دار کے ہاتھ آجائے تو احیاے اسلام کا مخلص سپاہی بن جاتا ہے۔

○ سوچیے کسی وقت آپ خود بھی تو فکری انتشار کا شکار تھے۔ پھر آپ پر راہ حق واضح ہوئی' پھر اس کے لیے سب کچھ لٹانے کا جذبہ پیدا ہوا۔ اگر آپ کی غلط فہمیاں دور ہونے اور راہ حق واضح ہونے میں ایک وقت لگا تو آپ دوسروں کو بھی یہ رعایت کیوں نہیں دیتے۔ آپ کو ہدایت مل سکتی ہے' تو کیا آپ کے بعد ہدایت کا دروازہ بند ہو گیا ہے؟

انسانی فطرت پر نظر: منفی بات چونکہ دل میں کھٹکتی ہے' اس لیے اس کا اظہار زیادہ ہوتا ہے۔ اخبارات کو بھی "خبریت" منفی باتوں میں زیادہ ملتی ہے۔ اس وجہ سے بھی معاشرے کی برائیوں کا ذکر زیادہ ہونے سے مایوسی کی لہر پیدا ہوتی ہے۔ اس کے سدباب کے لیے ضروری ہے کہ:

۱۔ منفی اور مایوسی پھیلانے والی باتوں کے غیر ضروری اظہار سے اجتناب کیا جائے۔

۲۔ کسی بھی فرد یا اجتماعیت کی خرابی کا اظہار اس کے مناسب فورم پر کیا جائے۔ کمزوریوں اور خامیوں کا عام تذکرہ عام افراد کو تحریک سے بددل کر دیتا ہے اور کارکنوں کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے۔ اس بارے میں حضورؐ کی اس حدیث کو پیش نظر رکھا جائے: **خاطبوا الناس علی قدر عقولھم** (مشکوٰۃ) لوگوں کو ان کی سمجھ بوجھ کے مطابق مخاطب کرو۔

معاشرے کی بے قدری کا شکوہ: ایک داعی مسلمان معاشرے سے قبول حق کی توقع وابستہ کر لیتا ہے لیکن جب ایسا نہیں ہوتا تو معاشرے کی بے قدری اور بے حسی کا شکوہ کرتا ہے۔ حالانکہ معاشرے کے اسی بگاڑ کی اصلاح کے لیے تو تحریک شروع کی گئی ہے۔ پھر اس بگاڑ کا شکوہ کیسا؟ وہ طبیب کیسا جو مریض سے اس کے مرض کا شکوہ کرتا رہے۔

عملی جدوجہد سے کنارہ کش افراد کا مسئلہ: یہ ایک حقیقت ہے کہ عملی جدوجہد سے الگ تھلگ رہنے والے محض نظریاتی کارکن چونکہ تحریک کی عملی ضرورتوں کا احساس نہیں رکھتے اور انھیں پورا کرنے میں شریک نہیں ہوتے' اس لیے زیادہ مایوس ہوتے ہیں' جب کہ جان و مال اور وقت کی قربانی دینے والے ہمیشہ پُرامید رہتے ہیں۔ کیونکہ جہاں انھیں خدشات کا سامنا ہوتا ہے وہاں پر بہت سے نئے امکانات کے در بھی وا ہوتے رہتے ہیں۔ اس طرح ان کی مایوسی کا ازالہ ساتھ ساتھ ہوتا رہتا ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ ھَاجَرُوْا وَجٰھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ۙ اُولٰٓئِکَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰہِ ؕ (البقرہ ۲:۲۱۸) بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے ہجرت کی اور راہ خدا میں جہاد کیا وہی لوگ ہیں جو رحمت الٰہی سے امید رکھتے ہیں۔

اختلاف مزاج کا مسئلہ: ایک ہمہ گیر تحریک میں مختلف مزاج اور صلاحیتوں کے حامل افراد کا جمع

ہونا ایک بدیہی امر ہے۔ بعض افراد تیز مزاج ہوتے ہیں تو بعض دھیمی طبیعت کے۔ کچھ درویش منش ہیں تو کچھ طمطراق کے عادی۔ کچھ کھلے سیاسی ذہن کے حامل ہوتے ہیں تو کچھ بسم اللہ کے گنبد میں بند۔ کچھ نفاست پسند اور باذوق ہیں تو کچھ اکھڑ مزاج۔ اپنے مزاج کے خلاف کارکنوں کو دیکھ کر داعی بددل ہو جاتا ہے۔ اگر وہ چند حقائق کو دل سے قبول کر لے تو مایوسی کا حملہ نہیں ہوتا۔

۱۔ دین اجتماعی تحریک کے بغیر ناممکن ہے۔

۲۔ معاشرے میں نفوذ کے لیے ہر صلاحیت اور مزاج کے حامل افراد کو تحریک میں سمونے کی ضرورت ہے۔

۳۔ اختلاف رائے انسانی فطرت کا حصہ ہے اور ہر ایک کو اپنی رائے عزیز ہوتی ہے۔

۴۔ اجتماعیت اور نظم و ضبط کو قائم رکھنا مقصد کے حصول کے لیے ضروری ہے۔

۵۔ ایک بڑے نصب العین کے لیے اختلاف رائے کو برداشت کرنا اور رواداری کا سلوک ہی مسئلے کا حل ہے۔

نمود و نمایش کا جذبہ: تحریک میں نمود و نمایش کے مناظر بھی مخلص اور اہل تقویٰ کی بے اطمینانی اور مایوسی کا سبب بنتے ہیں۔ بقول مولانا مودودیؒ 'اس حقیقت کو پیش نظر رکھنا چاہیے کہ گوشوں میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرنے والوں کے لیے اس فتنے سے بچنا نسبتاً آسان ہے مگر جو لوگ پبلک میں آکر اصلاح' خدمت اور تعمیر کا کام کریں انھیں بہرحال بہت سے وہ کام کرنے ہوتے ہیں جو منظر عام پر آتے ہیں۔ اپنی مدافعت میں' بادل نخواستہ ہی سہی' انھیں مجبوراً اپنے اچھے پہلوؤں کو نمایاں کرنا پڑتا ہے۔ ان حالات میں یہ کوئی آسان کام نہیں ہے کہ شہرت ہو' مگر شہرت کی چاٹ نہ لگے (تحریک اسلامی' کامیابی کی شرائط)۔

تنظیمی و اخلاقی معیار کی بحث: تحریک کی وسعت کے ساتھ تنظیمی و اخلاقی معیار کی گراوٹ بھی مایوسی کا جواز بن جاتی ہے۔ اس کے ازالے کے لیے دو حقیقتوں کا ادراک ضروری ہے:

۱۔ کسی بھی اصلاحی تحریک کے ابتدائی داعیوں کو اپنے نظریہ کے برحق ہونے اور اس کی کامیابی کا جو یقین حاصل ہوتا ہے' بعد والوں کو اس درجے کا یقین حاصل نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگر وہ اس قابل ہوتے تو پیروکار بننے کے بجائے اولین صف میں ہوتے۔ ان کا پیروکار ہونا ہی اس بات کی علامت ہے کہ وہ ہمت' صلاحیت اور یقین و خلوص میں سابقون سے کم تر ہیں۔ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ○ اُولٰئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ○ (الواقعہ ۵۶: ۱۰-۱۱) اور آگے والے تو پھر آگے والے ہی ہیں۔ وہی تو مقرب لوگ ہیں--- آغاز تحریک میں سبقت کرنے والے اکثریت میں ہوتے ہیں۔ تحریک کی وسعت کے ساتھ ساتھ سابقون کا تناسب کم ہوتا چلا جاتا ہے۔ البتہ بعد میں آنے والوں کی درمیانہ درجے کی اکثریت میں ایک قلیل تعداد ایسی ضرور ہوتی ہے

جو اپنی ذاتی خوبیوں اور اجتماعی تربیتی عمل کے نتیجے میں سابقون کے ہم پلہ ہوتی ہے۔ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ○ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ○ (الواقعہ ۵۶: ۱۳-۱۴) اگلوں میں سے بہت ہوں گے اور پچھلوں میں سے کم۔

سابقون کے بعد ان کے پیروکار "اصحاب الیمین" درمیانے درجے کی صلاحیت و قربانی کا مظاہرہ کرتے ہیں جن کی تعداد ان کے آغاز میں بھی کثیر ہوتی ہے' اور دوسرے ادوار میں بھی کثیر ہو سکتی ہے۔ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ○ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ○ (الواقعہ ۵۶: ۳۹-۴۰) [دائیں بازو والے] اگلوں میں سے بھی بہت ہوں گے اور پچھلوں میں سے بھی بہت--- کیونکہ ایک داعی جو پہلے چند افراد پر توجہ دیتا تھا' اب اس کی توجہ کا مرکز بہت سے افراد اور بہت سے کام بن جاتے ہیں۔ محترم خرم مراد کے بقول:

> تحریک جیسے جیسے پھیلتی ہے اور اس کے وابستگان کی تعداد بڑھتی ہے تو اس میں ہر قسم کے لوگ آتے ہیں اور ان کا آنا بھی ضروری ہے' ورنہ تحریک پھیل نہیں سکتی۔ اس کے نتیجے میں اگرچہ معیاری افراد کی کل تعداد میں تو اضافہ ہو جاتا ہے لیکن پہلے جیسے سرگرم افراد کا تناسب کم ہوتا چلا جاتا ہے۔ مثلاً پہلے اگر دس میں سے پانچ افراد فعالیت اور کارکردگی کے معیار بلند پر فائز تھے' تو اب شاید ہزار میں سے دو سو افراد اس مقام پر ہوں۔ اس طرح یہ تاثر پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے کہ اب وہ پہلے والی بات نہیں رہی (افکار و مسائل' ص ۳۸)۔

دوسری حقیقت یہ ہے کہ معیار اتنا گرتا نہیں جتنا تاثر بن جاتا ہے۔ اس حقیقت کے تسلیم کر لینے سے ہی مایوسی ختم ہو سکتی ہے کہ کوئی انسانی جماعت کمزوریوں سے خالی نہیں ہوتی۔ نہ کوئی انسانی کام نقائص سے پاک ہوتا ہے۔

مولانا مودودیؒ نے ایک اصولی جماعت کے لیے صالحیت و صلاحیت کے دو معیار تجویز فرمائے ہیں--- ایک معیار مطلوب' یعنی وہ انتہائی بلند معیار جس تک پہنچنے کی مسلسل جدوجہد جاری رہنی چاہیے۔ دوسرا کم سے کم قابل عمل ہونے کا معیار جس کو لے کر کام چلایا جا سکتا ہو اور جس سے نیچے گر جانا قابل برداشت نہ ہو (تحریک اور کارکن' ص ۴۴۲)۔

اگر تحریکی جدوجہد اور دعوت کے عمل میں' انتہائی بلند معیار مطلوبہ ہدف کے طور پر ہمیشہ نگاہوں کے سامنے رہے اور کم سے کم قابل عمل معیار سے نیچے گرنا کسی صورت گوارا نہ کیا جائے' نیز اصولی اور فکری معیار کے ساتھ ساتھ عملی تقاضوں کو بھی پیش نظر رکھا جائے تو معیار گر جانے کی بحث میں الجھے بغیر فطری بنیادوں پر کام کو آگے بھی بڑھایا جا سکتا ہے' اور مایوسی سے بھی بچا جا سکتا ہے۔ اگر ہم افراد تک دعوت پہنچانے کی اپنی ذمہ داریاں پوری کر دیں تو معاشرے کو بدلتے دیر نہیں لگے گی۔ ان شاءاللہ!